بحث و نظر

مولانا مودودی کا طریق انقلاب

جناب اسعد گیلانی صاحب

نومبر ۱۹۸۲ء کے رسالہ ترجمان القرآن میں "مولانا مودودی کا طریق انقلاب" کے عنوان سے ایک سوال شائع ہوا ہے اور اس کا آپ نے ایک جواب دیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کی مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ترجمان القرآن میں "طریق انقلاب" کے جداگانہ عنوان کے تحت یہ سوال و جواب شائع کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مولانا مودودیؒ کی دی ہوئی فکر و استدلال نے ہمیں اتنی سوجھ بوجھ ضرور دے دی ہے کہ ہم عقلی بنیاد پہ چیزوں اور معاملات کا حسن و قبح پرکھ سکتے ہیں اور کسی غلط راستے کو اختیار کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے ہمارے درمیان بدلتے ہوئے حالات میں مسائل پر بحث کرنے اور چھان پھٹک کر نتائج اخذ کرنے کی روایت قائم رہنی چاہیے۔ منجمد خیالات کے ساتھ پیش قدمی مشکل ہوتی ہے اور حوصلہ اقدام کے بغیر کسی منزل پر پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے "طریق انقلاب" کی بحث کو کھلا رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے الجھے ہوئے ذہنوں کو یکسو ہونے کے مواقع اور دلائل فراہم ہوتے ہیں (مجھے بھی آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے۔ ن۔ص)

سب سے پہلے میں اس سوال کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں جو کسی صاحب نے مرتب فرمایا ہے۔ سوال کرنے والے بزرگ نے میرا مضمون صحیح طور پر پڑھے بغیر سوال بنا دیا

ہے۔ انہوں نے اس خیال سے کہ مضمون کا عنوان "سید مودودی کے سیاسی فکر کے ۱۴ نکات" ہے۔ (عنوان میں نے اس لیے بدلا کہ مکمل طور پر مولاناؒ کے سیاسی فکر کا احاطہ کرنے کے لیے زیادہ جامع بحث کی ضرورت تھی۔ ن۔ ص) ۔ سولہویں نکتہ کے تمام مضمون کو مولانا مودودیؒ کی سیاسی فکر کی حیثیت سے ہی پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ دیکھے بغیر کہ مولانا مودودیؒ کی سیاسی فکر کا نکتہ کہاں ختم ہوا ہے اور اس فکر کا ذکر ختم کر کے ایک دوسرا نکتہ کہاں سے شروع کیا گیا ہے[۵]۔ جس "فری سٹائل کشتی" کے تصور سے وہ سخت پریشان ہوتے ہیں اس "عوامی انقلابی تحریک" کے متصل لکھا ہوا ہے کہ یہ طریقہ ایران نے اپنایا اور آزمایا ہے اور اس کی کوئی تہمت لکھنے والے نے مولانا مودودی کے طریق انقلاب پر نہیں رکھی ہے اور نہ ہی اسے مولانا مودودی کے طریق انقلاب کی حیثیت سے اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے[۲]۔ اس لیے سوال بنانے والے بزرگ نے اپنی ایک بات مضمون نگار کے منہ میں ڈال کر زیادتی کی ہے۔ یہ حرکت کوئی دوسرا کرتا تو کوئی حرج نہیں تھا کہ اس فن کے ماہرین کی ہمارے اہل علم طبقہ میں کوئی کمی نہیں ہے اور مولانا مودودیؒ تو ساری عمر اس حرکت کو بھگتتے

---

[۱] یہ عنوان بھی آپ نے نامناسب طور پر رکھ دیا۔ میں نے اس کا عنوان مولانا مودودی کے سیاسی افکار لکھا تھا۔ یہ عنوان زیادہ جامع تھا۔ (مؤلف مضمون)

[۲] اگرچہ میری رائے یہی ہے کہ مولانا مودودی پاکستان کے حالات کی روشنی میں دستوری انتخابی طریقے کے قائل تھے۔ ورنہ اسلامی انقلاب کے لیے وہ ہر ملک کے حالات کے مطابق مختلف طریقوں کے قائل تھے۔ (مؤلف مضمون)

[۵] دراصل مولانا مودودیؒ کی فکر کے نکتے کے ساتھ ہی چونکہ تشریح اور استنتاج ملے جلے ہیں اس لیے کوئی بھی شخص اُلجھ سکتا ہے۔ (ن۔ ص)

رہے ہیں لیکن "جماعتِ اسلامی کے ایک دیرینہ کارکن" کو تو اس کا پورا احساس ہونا چاہیے تھا کہ قلم کی ذراسی جنبش سے "ناممکن" "ممکن" کیوں کر بن جایا کرتا ہے اور اس کارروائی سے مضمون نگار کو کتنی ذہنی اذیت ہوا کرتی ہے۔ میں ان سے عرض کروں گا کہ وہ اپنا وہ مفہوم واپس لیں جو انہوں نے اپنے ذہن سے نکال کر میرے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اپنے اس مضمون میں یہ بات ہرگز نہیں کہی کہ مولانا مودودیؒ پاکستان میں بھی عوامی انقلابی تحریک کے ذریعے اسلامی انقلاب لانا چاہتے تھے۔ میں نے یہ کہا کہ عوامی انقلابی تحریک کا بھی ایک طریقہ ہے جیسے ایران میں آزمایا گیا ہے۔ میں نے اسے جماعت اسلامی کے دستوری انتخابی طریقے یا مولانا مودودی کے پاکستانی طریقے کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جماعت اسلامی کے دیرینہ کارکن سائل نے اسے خواہ مخواہ الجھا دیا ہے۔

اب یہ بات کہ وہ کہاں تک قرآن و سنت کے مطابق یا مخالف ہے یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس کے لیے ترجمان القرآن کے صفحات میں گنجائش ہو تو پھر علمی دلائل سے بات کی جاسکتی ہے اور یہ بھی بتایا جاسکتا ہے کہ خود مولانا مودودیؒ صاحب کس حد تک اس طریقۂ کار کے مخالف یا موافق یا غیر جانب دار تھے۔ اور ان کے لٹریچر اور تصریحات سے کیا طریق کار ان کی فکر کے مطابق قرار پاتا ہے۔ وہ بحث جماعت اسلامی کے متعینہ دستوری طریق کار کو زیر بحث لائے بغیر علمی طور پر کی جاسکتی ہے۔ جماعتِ اسلامی کا طریقۂ کار تو اس کے دستور میں موجود ہے جو یہاں زیر بحث نہیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کے سارے لٹریچر کو تو جماعت اسلامی کے دستور کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

جہاں تک عوامی انقلابی تحریک کا تعلق ہے خود پی این اے کی تحریک بھی ایک عوامی انقلابی تحریک ہی تھی جس کے ذریعے ایک منتخب حکومت کو بلا انتخاب بدل دیا گیا تھا۔ انقلابی وہ اس لیے بن گئی تھی کہ اس کی مدد سے حکومت کو بدل دیا گیا اور عوامی اس لیے کہ عوام نے خود اس میں شرکت کر کے اسے مضبوط بنایا۔ محترم سائل کو اس سے وحشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عوام کی شرکت اور تشدد کے عدم استعمال سے .P.N.A کی تحریک بھی عوامی انقلابی تحریک تھی۔

مرتب کردہ سوال کے بعد اب اس کے جواب کے بارے میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ جس لب ولہجہ میں جواب دیا گیا ہے اس میں یہ بات پہلے مرحلے میں ہی تسلیم کرلی گئی ہے کہ مضمون نگار نے کوئی بڑی ہی گناہ کی بات کہہ دی ہے۔ جس پر ایڈیٹر نے اپنی اس کوتاہی کے لیے کہ وہ اشاعت پذیر ہوگئی ہے "سچے جذبے سے اللہ تعالیٰ سے عفو طلب کیا ہے اور احباب سے درگذر کی عاجزانہ درخواست کی ہے△۔ عفو طلبی اور درگذر کی بات یوں تو ہر وقت ہوسکتی ہے، لیکن اس سیاق وسباق میں جس بات پہ کی گئی ہے اس نے اس مضمون کو کافی حد تک معصیت آلود بنادیا ہے جو حیران کن بھی ہے اور پریشان کن بھی۔ آخر کوئی شخص علمی سطح پہ یہ بات کہہ گزرے کہ اسلامی انقلاب کے لیے انتخابی دستوری طریقے کے علاوہ بھی کوئی طریقہ ہوسکتا ہے تو وہ کس طرح معصیت کی بات بن جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کا طریق انقلاب جسے مولانا مودودیؒ نے اپنے مقالے " اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے " میں بیان کیا ہے وہ لازماً انتخابی دستوری طریقہ نہیں تھا۔ اور اگر کوئی داعیٔ دعوتِ اسلامی کفار کی اکثریت کے ملک میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کرے تو وہ ہرگز انتخابی طریقہ اختیار نہ کرے گا۔ خود ہندوستان میں جماعتِ اسلامی اس انتخابی طریقے سے اجتناب کرتی ہے۔ اگر کوئی داعی کسی آمرانہ طرزِ حکومت میں اٹھے تو وہاں بھی اس کا طریقہ انتخابی نہ ہوگا۔ اور اس طرح ایک سے زائد مثالیں دی جاسکتی ہیں، جہاں دعوتِ اسلامی بھی ہو اور طریقہ انتخابی نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ کا طریق بھی انتخابی دستوری نہ تھا اس لیے کسی دوسرے طریقے کے ذکر پہ ہی استغفار کرکے

△ اس کی ضرورت خاص اس وجہ سے بھی محسوس ہوئی کہ "امام حسین علیہ السلام" کا شیعی شعار وہ اسلوب اختیار کیا گیا۔ میرا ذاتی اندازہ یہ تھا کہ آپ نے جس ادارے کے اسٹیج سے بات کہی تھی اس کی تالیف قلب کے لیے شاید یہ انداز استعمال کیا ہو تاکہ اپنی بات کو آپ اس حلقے میں زیادہ قابل نفوذ بناسکیں۔ مگر مجھے بعض معترضین کے اعتراض کے بعد اس بارے میں ندامت ہوئی۔ اور پھر یہ تو کسی لمحۂ احساس کی کیفیت خاص ہوتی ہے جو ظاہر ہوتی ہے۔ غلطی اور گناہ میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے میں نے آپ کے کسی جذبہ سے تعرض نہیں کیا، میں تو صرف اپنی کیفیات کو بیان کرسکتا ہوں۔ (ا۔ ن۔ ص)

اس معصیت سے اجتناب کی دُعا کرنا کوئی لازمی امر نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے ذکر سے کسی بڑی آفت کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے اور نہ شرعاً یہ ذکر ممنوع ہے۔

جس طریقِ انقلاب کو میں نے مولانا مودودیؒ کا نہیں ایران کا طریق انقلاب ظاہر کر کے بات کی ہے اس کا جواب اور جواز محترم ایڈیٹر نے مولانا کی کتاب تفہیمات کا حوالہ دے کر خود ہی پیش کر دیا ہے اس لیے مجھے اس جوابی تحریر میں اس سے زائد کوئی حوالہ پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ طریق کار یہاں ہمارا نہیں ہے اور ہمارا طریقہ زیر بحث بھی نہیں ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ کس الرحمٰنی + کے تحت طریقِ انقلاب کی ایک بالکل علمی اور عمومی بات کو جماعت اسلامی کے دستوری انتخابی طریق انقلاب کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جماعتِ اسلامی انتخابی طریق کار کی حامل تنظیم ہے اور اس سے وابستہ لوگ اس کے پابند ہیں۔ خود میں بھی اس کا پابند ہوں۔ لیکن کیا جماعت اسلامی کے انتخابی طریق کار کی موجودگی میں اسلامی طریقِ انقلاب کے جو دیگر تمام ممکن طریقے ہو سکتے ہیں۔ اُن پر علمی بحث سے بھی جماعت اسلامی کے دستوری انتخابی طریق کار کو ضعف پہنچتا ہے یا علمی بات کرنے والے کے عمل کو نقصان پہنچتا ہے۔ مثلاً کیا میں حنفی ہوتے ہوئے یہ بات کہنے کا مجاز ہوں یا نہیں کہ شافعی مسلک میں فلاں مسئلہ یوں ہے اور حنبلی مسلک میں فلاں مسئلہ یوں ہے۔ کیا اس اظہارِ خیال سے بھی کسی شخص کا خود حنفی ہونا مشتبہ یا خود مسلکِ حنفیت کا نقصان ہے۔ مجھے رنج ہوا ہے کہ ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ماحول میں اس نوعیت کی سطحی سوچ # کیوں پرورش پا گئی ہے۔ مولانا

+ میرا خیال ہے کہ ایسے الفاظ اگر ہر طرف سے استعمال ہونے لگیں اور دنیائے ادب میں کسی بھی طرح کے لفظوں کی کمی نہیں ہے تو پھر اختلاف کے وجہ رحمت بننے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ (ن ص)

ہم اپنے رفقا کے اختلافات اور اعتراضات سُن کر انہیں سطحی سوچ میں مبتلا ہوتے کا طعنہ دینے کے بجائے ٹھنڈے دل سے انہیں تسکین بخش جواب دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ (ن ص)

مودودیؒ تو مسائل پر اس انداز میں غور نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ تو تحقیق و تفتیش اور بحث و استدلال کے ذریعے اپنے اور دوسروں کے موقف بلا تکلف بیان کرتے اور اپنے موقف کے حق میں دلائل دیا کرتے تھے۔ تبلیغ و تعلیم و تربیت و توسیع و تنظیم کے تمام مراحل سے کون انکار کرتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص کیسے کوئی تحریک اُٹھا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر تحریک اِن مراحل سے گذر کر ہی کسی تبدیلی کو رُو نما کرنے کی قوت حاصل کرتی ہے۔ ایک غیر اسلامی تحریک کو بھی اپنے انداز فکر کے مطابق ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ابتدائی مراحل صرف اسلامی تحریک سے ہی وابستہ نہیں ہیں۔ مسئلہ تو اس قوت کے حصول کے ذریعے تبدیلی رُو نما کرنے کا ہے۔ تو اس کے متعدد طریقے ہوسکتے ہیں۔ ہم نے اس کے لیے انتخابی دستوری طریقہ اپنایا ہوا ہے۔ یہی ہماری مصلحت اور حالات کے مطابق ضرورت ہے۔ ہم اسی کے پابند ہیں۔ لیکن یہ واحد، آخری اور حتمی طریقہ نہیں ہے۔ اسی کے اندر حق کو محصور اور محدود سمجھنا کوتاہ نظری ہے۔ ☐

میں آپ کو پھر مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے اس بحث کے لیے ترجمان کے صفحات کا دروازہ کھولا ہے۔ شکریہ۔ اگر آپ اس خط کو شائع کر کے طریق انقلاب کی بحث کو علمی سطح پر پھیلائیں تو اسلامی ادب میں ایک بہت بڑی اجتماعی خدمت ہوگی جس کی ضرورت کا احساس لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ والسلام۔

---

(۳)

از جناب جاوید اکبر انصاری صاحب

محترم اسعد گیلانی صاحب کے اکتوبر کے مضمون پر جناب نعیم صدیقی صاحب کے اعتراضات نظر سے گذرے۔ آپ سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل مختصر تبصرہ کو ترجمان القرآن کے

☐ آپ کی یہ تصریحات بہت اچھی ہیں اور مغالطے دُور کرنے میں ممد ہوں گی۔ (ن ص)

صفحات میں جگہ دیں۔

۱۔ اللہ کا فضل ہے کہ ترجمان القرآن کے صفحات میں آج ایک مدت کے بعد ایک ایسے اہم موضوع پر بحث کا آغاز ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک کی ترقی کا انحصار کسی حد تک اس بات پر بھی ہے کہ ہم انقلاب کے طریقہ کار کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یکسو ہوئے بغیر کام کو آگے لے جانا بہت دشوار نظر آتا ہے۔

۲۔ بحث کا محور اور مرکز مولانا مودودیؒ کی تحریرات ہیں۔ بحث کو اس طرح شروع کرنے میں ایک خطرہ یہ ہے کہ ہم نادانستہ طور پر مولانا مودودیؒ کی تحریرات کو واحد معیارِ حق تسلیم کر لیتے ہیں اور غیر شعوری طور پر دیگر علماء کی آراء کو صرف اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مولانا مودودیؒ اِن آراء سے متفق نظر نہیں آتے۔ میری رائے میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ بحث کے فریق قرآن اور سنت اور دیگر ماٰخذ سے براہ راست رجوع کر کے اپنی بات ثابت کریں۔ اور مولانا مودودی اور دیگر علماء کی تصانیف سے قرآن اور سنت کو سمجھنے کے لیے مدد لیں، لیکن یہ نہ ہو کہ تحریکِ اسلامی مولانا مودودی کی تحریرات کو بنیادی ماٰخذ کا درجہ دے دے اور کبھی کوئی ایسی پوزیشن اختیار نہ کرے جو شرعاً جائز ہو، لیکن جس سے مولانا مودودیؒ متفق نہ تھے۔ خود مولانا مودودیؒ نے کبھی کسی دوسرے عالم کی رائے کو اس نوعیت کی اہمیت نہیں دی۔

۳۔ بحث جمہوری اور غیر جمہوری طریق انقلاب کے بارے میں ہے۔ مولانا نعیم صدیقی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا مودودیؒ خصوصی حالات میں UNDER EXCEPTIONAL CIRCUMSTANCES) غیر انتخابی اور غیر جمہوری طریقے سے اسلامی انقلاب کے قیام کو شرعاً ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون سے حالات ہیں، جن کو "خصوصی" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جن میں غیر جمہوری اور غیر انتخابی طریق انقلاب اختیار کیا جا سکتا ہے۔ میری رائے میں پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک حالات کبھی "معمول" پر نہیں آئے۔ اور ہمیشہ "خصوصی" ہی رہے ہیں۔ اور جیسے جیسے وقت گذرتا جا رہا ہے، حالات کے "معمول" پر آنے کی امید کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ تمام

سیاسی تبدیلیاں غیر جمہوری طریقے ہی سے آئی ہیں۔ جب تک امریکہ اور سوویت روس کو ہمارے ملک پر بالادستی حاصل رہے گی اور جب تک ہماری فوج اور سول سروس غیر جمہوری طور پر منظم ہوتی رہے گی، حالات کے "معمول" پر آنے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ ان حالات میں تعلیم اور اشاعت کا تنظیم اور کشمکش سے جو تعلق ہوتا ہے، وہ جمہوری اور انتخابی نہیں ہو سکتا۔ اس معاشرہ میں "آئین اور قانون" کا عملاً نفاذ ناممکن ہوتا ہے۔ حکمران جو قانون اور جو آئین جب چاہتے ہیں بنا دیتے ہیں جب چاہتے ہیں اس کو رد کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں "آئینی اور قانونی" جدوجہد حکومتی نظام میں تبدیلی نہیں لا سکتی اور ان حالات میں انقلابی جماعتیں اس بات پر مجبور ہوتی ہیں کہ اپنے تبلیغی کام اس نوعیت سے منظم کریں کہ ان کے کارکن معاشرتی طور پر با اثر اور با اختیار ہوتے چلے جائیں اور ایک ایسا وقت آئے کہ قائم شدہ نظام کو چلانا ممکن نہ رہے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نے واضح کر دیا ہے کہ پاکستان کے "خصوصی" حالات میں اسلامی انقلاب کی راہ کیا ہے۔

۵۔ ایک اسلامی انقلابی جماعت کے عام کارکن کو معاشرتی سطح پر با اثر اور طاقت ور بنانا ان "خصوصی" حالات میں ناگزیر ہے۔ اس ملک کا "قانون" اور "آئین" ہمیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تحریک کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اپنے معاشرتی اثر کو بڑھانے کے لیے جو ذرائع اختیار کرے وہ شرعاً جائز اور احسن ہوں اور اسلامی حکومت کے قیام کے بعد اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ حالات معمول پر آ جائیں۔

---

(۳)

جناب نعیم صدیقی صاحب

ہر دو بحثوں کو پڑھنے کے بعد میرا خیال یہ ہے کہ دو الگ الگ دائرہ ہائے گفتگو ہیں۔ ایک یہ کہ مولانا مودودیؒ کا سوچا ہوا طریق انقلاب کیا تھا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے وسیع لٹریچر بھی موجود ہے، کیے ہوئے کام کی تاریخ بھی ہے۔ اور کاروانِ انقلاب کے بزرگ اور نوجوان ہم سفر بھی ہمارے سامنے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم میں سے کسی کی نظر میں

اسلامی انقلاب کا تکمیلی عمل کیسے واقع ہوگا یا ہونا چاہیے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے تکمیلی عمل کو اس لیے مبہم چھوڑا ہے کہ اس کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں، شاید ایسی بھی جو ہمارے تصور میں نہ ہوں، کیونکہ واقعات کی گردشیں ایسے ایسے عجیب تاریخی لمحات پیدا کر دیتی ہیں کہ جن کا پہلے سے کوئی تفصیلی تصور موجود نہیں ہوتا۔ رہا دوسرا سوال، سو فکری نظری سطح پر ہمارے سوچنے والوں کو ہر قسم کے ممکنات پر غور کرتے رہنا چاہیے۔

مثلاً اب تک دنیا میں انقلاب کی ایک شکل سازش و بغاوت کے انداز کی معروف رہی ہے، خواہ وہ سول راستے سے ہو یا فوجی راستے سے، ایک شکل وہ ہے جس کا تجربہ یہاں بھی متحدہ محاذ نے عظیم ایجی ٹیشن سے کیا اور اس کا طرز یہ تھا کہ ایک مقصد کے لیے اتنی زیادہ قربانیاں بغیر پسپائی کے دی جائیں کہ عوام کی مظلومی خود ایک فیصلہ کن قوت بن جائے۔ بعض وجوہ سے اس کوشش کا منفی نتیجہ تو حاصل ہوگیا کہ ایک ظالم حکومت کی بساط اُلٹ گئی، مگر مثبت طور پر فوج سامنے آگئی۔ جس کے بعد متحدہ محاذ کا بکھر جانا اس بات کا ثبوت بنا کہ انقلاب کے لیے مطلوبہ وحدت موجود نہ تھی۔ یہی تجربہ ذرا مختلف حالات میں ایران میں کیا گیا اور اس کے نتیجے میں تبدیلی واقع ہوگئی۔

ایک تجربہ وہ ہے جو اہل افغانستان ایک سپر پاور کے مقابلے میں اختیار کیے ہوئے ہیں، مگر وہ ابھی آخری منزل تک نہیں پہنچا۔

ادھر سوڈان میں اسلامی قوتوں نے انقلاب کا ایک اور طریقہ آزمایا ہے کہ وہاں کے حکمران کی تبدیلیٔ ذہن کے ساتھ حکومت کے تمام شعبوں میں اسلامی عناصر نے نفوذ کر کے اقتدار کے تعاون سے نفاذِ شریعت کا مؤثر اور تیز رفتار آغاز کیا ہے۔ یہ تجربہ بھی ایسا ہے کہ ہم اس کی کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ تکمیلی مرحلے تک اس کی پوری کش مکش کو دیکھنے کے ضرورت مند ہیں۔

ایک تجربہ تاریخ میں وہ تھا کہ بنو امیہ کے شاہی خاندان سے اقتدار ایک مردِ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف منتقل ہوگیا، جن کی سابق زندگی اموی شہزادوں کی مانند تھی اور کوئی خطرناک جراثیم اموی خاندان کو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ مگر سلطنت کو سنبھالنے میں وہ شخص صحابہ کرام کی مانند یکسر درویش بن گیا اور اس نے انقلابی جذبے سے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ

نقشۂ احوال کو کتاب و سنت کے مطابق ایسا بدلا کہ مورخین اسے پانچواں خلیفۂ راشد بھی شمار کرتے ہیں۔

میرا کہنا یہ ہے کہ وہ مقام جہاں پہنچ کر ذی شعور انقلابیوں کا گروہ تکمیلی مرحلے کی طرف قدم بڑھاتا ہے اس سے پہلے کے لیے مولینا مودودیؒ نے کام کا جو نقشہ دیا تھا وہ اب تک نامکمل ہے۔ اور بہم شدہ قوت محدود ہے۔ وہ نقشہ جو اساسی دعوت (اور اب تو یہ اساسی دعوت ثانوی درجے میں چلی گئی ہے۔ کیونکہ سیاسی کشاکش کے تجربوں کی اہمیت بڑھ گئی ہے) رابطۂ عام اور ہمہ اثر سے میں اثر اندازی پر مشتمل تھا۔ اس کے تقاضے تو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم پر بھرپور توجہ دو اور مسابقت کرنے والی بھاری قوتوں کی رفتار کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے نکلو۔ اس پکار کو تو ہم کماحقہٗ سن نہیں رہے، بلکہ ہماری دلچسپی تکمیلی مرحلۂ انقلاب کی شکل طے کرنے سے وابستہ ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑی سی ایسی فکر کاوش کے ہونے میں حرج نہیں لیکن اگر تکمیلی مرحلۂ انقلاب پر زیادہ توجہ صرف ہونے لگی تو یہ متذکرہ موجودہ فرض سے فرار کی ایک صورت ہوگی۔

فی الحال ہمارا ہدف یہ ہے کہ ہم اتنی قوت سمیٹ لیں اور وہ فرائض ادا کر لیں جو ہمیں اس چوراہے تک پہنچا دیں جہاں سے انقلاب کے تکمیلی عمل کے لیے مختلف راہیں پھوٹتی ہیں، جن میں بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے اور نہ یہی واضح ہے کہ اس وقت کیا حالات ہوں گے جن میں کسی خاص سمت میں قدم بڑھانا ہوگا۔

فی الحال اس بحث کو اس شمارے پر ختم کیا جا رہا ہے۔ بعد میں اگر مثبت خطوط پر لکھا ہوا کوئی ٹھوس مقالہ اس موضوع پر موصول ہوا تو شاید اسے شائع کیا جائے، مگر خیال رہے کہ ترجمان القرآن مثبت دعوت اور علمی مقالات پیش کرتا ہے، ایسی بحثیں نہیں کہ جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ چلے اور قارئین کرام انتشار کا شکار ہوں۔ (ادارہ)